POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 10-11 November 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 09-11-2024 • Price: 5/- • 15-21 November 2024 • Issue: 43 • Vol:83

۱۵تا۲۱ نومبر ۲۰۲۴ء • شمارہ: ۴۳ • جلد: ۸۳

صحتِ زبان (۲۰)

رؤف پاریکھ

☆ اب بھی یا ابھی بھی؟

آج کل بعض لوگ 'اب بھی' کے بجائے 'ابھی بھی' بولتے اور لکھتے ہیں لیکن یہ درست نہیں ہے۔

اردو کی بعض معروف و معتبر لغات مثلاً امیر اللغات[۱] اور فرہنگِ آصفیہ[۲] میں 'اب بھی' کے جو مفاہیم درج ہیں ان کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں:

(۱) اِس وقت بھی، اِس حال میں بھی، اِس صورت میں بھی: اس پہلے مفہوم کی مثال میں یہ جملہ پیش کیا جا سکتا ہے: امتحان سر پر آ گئے ہیں مگر اب بھی وقت ہے، پڑھائی کر لو۔

(۲) پھر بھی، تب بھی، اِس پر بھی، بااِیں ہمہ، اِس کے باوجود: امیر اللغات نے یہ جملہ دیا ہے:

''ہزار لٹ گئے ہیں مگر اب بھی تم سے اچھے ہیں''۔

امیر کا یہ جملہ 'اب بھی' کے دوسرے مفہوم کی وضاحت کرتا ہے (یعنی یہ ''اِس پر بھی'' کے معنی میں ہے)۔ نور اللغات[۳] نے 'اب بھی' کا ایک ہی مفہوم لکھا ہے اور وہ ہے: ''اِس پر بھی، تاہم، بااِیں ہمہ''، اور اس کی وضاحت میں امیر اللغات کے منقولہ بالا مثالیہ جملے کو لفظ بہ لفظ نقل کر دیا ہے۔

(۳) اِس وقت تک، تا حال، اب تک، ہنوز: انگریز لغت نویس جان ٹی پلیٹس نے اپنی اردو بہ انگریزی لغت[۴] میں 'اب بھی' کے ایک اور معنی لکھے ہیں اور وہ ہیں:

even now, yet, as yet, still.

اس میں yet اور as yet کے استعمال کی وجہ سے اس کا مفہوم اُس پہلے مفہوم سے ذرا سا مختلف ہو گیا ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے یعنی 'اِس وقت بھی' کے بجائے یہاں معنی ہیں: اِس وقت تک، اب تک، تا حال۔

جب کہ اردو لغت بورڈ نے اپنی لغت میں 'اب بھی' کو 'اب' سے رجوع کرا کے لکھ دیا ہے کہ یہ 'اب' کی 'تاکید' ہے[۵]۔ لیکن یہ معنی مشکوک اور بحث طلب ہیں۔ بورڈ نے دوسرے معنی لکھے ہیں 'کلمۂ تنبیہ'، لیکن یہ معنی بھی مشکوک ہیں۔ بورڈ نے دوسرے معنی کی صرف ایک سند دی ہے اور وہ بھی ایک مجہول بلکہ تقریباً نامعلوم قلمی بیاض سے۔

اب ذرا لفظ 'ابھی' کو بھی دیکھتے چلیں۔ 'ابھی' کے کئی ممکنہ معنی ہیں، جو مختلف لغات مثلاً فرہنگِ آصفیہ، امیر اللغات اور علمی اردو لغت[۶] میں درج ہیں:

(۱) اب تک، اِس وقت تک، تا حال، اِس لمحے تک، جیسے: ابھی وہ نہیں پہنچے۔

(۲) اِس گھڑی، اِس وقت، اِس لمحے، اِس آن، فی الحال جیسے: ابھی وہ دفتر میں ہیں۔

(۳) فوراً، اِسی وقت، اسی لمحے، جیسے: ابھی روانہ ہو جاؤ۔

(۴) تھوڑی دیر پہلے، چند لمحوں پہلے، جیسے: وہ ابھی نکلے ہیں۔

(۵) تھوڑی دیر بعد، چند لمحوں میں، جیسے: وہ ابھی آتے ہوں گے۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ 'اب بھی' کے بجائے 'ابھی بھی' بولنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

☆ اسلام و علیکم نہیں، السّلام علیکم

اردو زبان کے استعمال میں معیار کا اب کیا عالم ہے اس کا اندازہ یوں لگائیے کہ اب اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی 'اسلام' اور 'السّلام' میں کوئی فرق نہیں روا رکھتے اور دونوں کو ایک ہی طرح لکھتے ہیں۔ یعنی السلام علیکم کو اب کئی لوگ غلط طور پر 'اسلام' علیکم لکھتے ہیں۔ بعضے تو اس کے بیچ میں اضافی واو بھی لگا دیتے ہیں یعنی اسے مزید بگاڑ کر 'اسلام وعلیکم' لکھ دیتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ 'السّلام' کو کیسے پڑھتے ہوں گے اور اس کا کیا تلفظ کرتے ہوں گے؟ مثلاً انبیاء کے ناموں کے ساتھ علیہ السّلام لکھا جاتا ہے (جیسے: حضرت موسیٰ علیہ السّلام)۔ 'دارُالسّلام' جیسی تراکیب یہ لوگ شاید پڑھ ہی نہیں سکتے ہوں گے حالاں کہ بظاہر تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔

یہ گڑبڑ اس لیے بھی ہوتی ہے کہ السّلامُ علیکم میں لام غیر ملفوظی ہے یعنی اس کا تلفظ نہیں کیا جاتا۔ طالبِ علموں کی رہنمائی کے لیے عرض ہے کہ ایسے مرکبات میں لام لکھتے ہیں پڑھتے نہیں ہیں اور لام کے بعد والے حرف پر تشدید پڑھی جاتی ہے، اسی لیے السّلامُ علیکم کا تلفظ 'اَس سَلامُ علیکم' کیا جائے گا (دراصل السّلامُ علیکم میں میم پر پیش ہے جس کو غلطی سے واو لکھ دیا جاتا ہے)۔ السّلام علیکم کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو۔ اسی طرح دارُالسّلام لکھیں گے اور اسے پڑھیں گے 'دارُس سَلام'، یعنی 'دار' کے بعد اور 'سلام' سے پہلے الف اور لام لکھیں گے ضرور لیکن پڑھیں گے نہیں۔ یہاں الف اور لام دونوں غیر ملفوظی ہیں یعنی یہاں ان کا تلفظ نہیں کیا جائے گا اگرچہ یہ املا میں شامل رہیں گے۔ دارُالسّلام کے معنی ہیں سلامتی کا گھر، وہ مقام جہاں کوئی پریشانیوں اور دشمنیوں سے محفوظ ہو۔ اس کے ایک معنی جنت کے بھی ہیں۔ جنت کے ایک درجے کا نام دارالسّلام ہے۔ افریقی ملک تنزانیہ کے ایک شہر کا نام بھی دارالسّلام ہے۔

اہلِ علم سے معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ یہ سطور بطورِ خاص طالبِ علموں کے لیے لکھی جا رہی ہیں (ہم اہلِ علم کو سکھانے پڑھانے کی حماقت نہیں کر رہے)۔ طالبِ علموں کو جاننا چاہیے کہ بعض ناموں میں الف لام لکھتے ہیں پڑھتے نہیں ہیں، مثلاً عبدالسّلام کو عبدُس سَلام پڑھنا چاہیے۔ اسی طرح عبدالرّحمٰن اور عبدالسّتار جیسے ناموں کا تلفظ ہم نے اچھے خاصے معقول لوگوں کو بھی غلط طور پر عبدُل رحمٰن اور عبدُل ستار (یعنی لام کے تلفظ کے ساتھ) کرتے سنا ہے حالاں کہ یہاں الف اور لام دونوں غیر ملفوظی ہیں۔ اصول یہ کہتا ہے کہ یہاں الف اور لام لکھے جائیں گے لیکن پڑھے نہیں جائیں گے اور لام کے بعد والے حرف پر تشدید پڑھی جائے گی، یعنی عبدالرّحمٰن میں الف اور لام نہیں پڑھیں گے اور 'رے (ر)' کو تشدید کے ساتھ (یعنی دو بار) پڑھیں گے۔ اس طرح عبدالرّحمٰن کا درست تلفظ 'عبدُ ر رحمان' ہوگا اور عبدالسّتّار میں چوں کہ ستّار کی 'ت' پر بھی تشدید ہے اس لیے اس کا درست تلفظ 'عبدُس سَت تار' ہوگا۔

اس طرح کے الفاظ کے تلفظ کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہنی

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

چاہیے کہ عربی میں کُل اٹھائیس (۲۸) حروفِ تہجی ہیں جن میں سے نصف یعنی چودہ (۱۴) شمسی ہیں اور بقیہ نصف قمری۔ شمسی حروف (مثلاً ر،س،ش،ض،ن وغیرہ) سے قبل لکھے ہوئے لام کا تلفظ نہیں کیا جاتا۔ اس کو اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے:

ال+شمس=الشّمس (تلفظ: اَش شَمس، لام نہیں پڑھیں گے)

لیکن قمری حروف سے پہلے لام کا تلفظ کیا جائے گا، مثلاً:

ال+قمر=القمر (تلفظ اَل قَمر، لام پڑھیں گے)

'ب' قمری حرف ہے اور اسی لیے عبدالباری کا تلفظ لام کے ساتھ کیا جائے گا یعنی اسے عبدُل باری پڑھیں گے (الف البتہ غیر ملفوظی ہوگا)۔ اسی طرح چوں کہ قاف (ق)، کاف (ک) اور جیم (ج) قمری حرف ہیں لہٰذا عبدالقادر، عبدالکریم اور عبدالجبار میں لام کا تلفظ ادا ہوگا (لیکن الف کا نہیں ہوگا)۔ اسی طرح رؤف الرّحیم، سیرۃ النّبی اور بدرالدّجیٰ جیسی تراکیب میں الف اور لام دونوں غیر ملفوظی ہوتے ہیں یعنی اِن تراکیب کو تشدید کا خیال رکھتے ہوئے علی الترتیب اس طرح پڑھیں گے: رؤفُر رَحیم، سی رَتُن نبی، بدرُ دُ جا (علی الترتیب اور بالترتیب میں بھی الف اور لام کو نہیں پڑھنا اور 'ت' پر تشدید پڑھنی ہے)۔ 'دال (د)' چوں کہ شمسی حرف ہے اس لیے بدرالدّین میں بھی الف اور لام کا تلفظ نہیں کیا جائے گا، یعنی بدرُ د دِین پڑھیں گے، البتہ لکھیں گے الف اور لام کے ساتھ۔ زیب النسا میں بھی الف اور لام نہیں پڑھیں گے لیکن نسا کے نون کو مُشدّد کردیں گے یعنی تشدید لگادیں گے، مراد یہ ہے کہ زیب النسا کو زے بُن نِسا پڑھنا چاہیے۔ اسی طرح آثار الصنادید کو آثارُص صَنادید پڑھیں گے۔

شمسی حروف یہ ہیں: ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن[۷]۔

قمری حروف یہ ہیں: الف، ب، ج، ح، خ، ع، غ، ف، ق، ک، م، و، ہ، ی[۸]۔

قاری غلام رسول کے مطابق قمری حروف کا مجموعہ یہ ہے: اَبغِ حَجَّکَ وَخَف عَقِیمَہ[۹]، مراد یہ کہ حج ادا کرواور ڈرو کہ (مناسک میں غلطی سے حج) بے فائدہ نہ ہوجائے۔ دراصل اس طرح کے فقرے طالبِ علموں کی سہولت کے لیے مخصوص حروف کو جوڑ کر وضع کیے جاتے تھے کیوں کہ اس طرح یادرکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ عربی کے حروفِ جر کے لیے بھی اسی طرح ایک شعر بنایا گیا ہے جس میں تمام حروفِ جرآ جاتے ہیں جس طرح منقولۂ بالا فقرے میں تمام قمری حروف آگئے ہیں۔

ایک اہم بات جو السلام علیکم کے سلسلے میں یاددلانی ضروری ہے یہ ہے کہ بعض لوگ سلام کرتے ہوئے السلام (یعنی اَس سلام) کہنے کے بجائے اسے غلط طور پر لام کے بغیر یعنی 'سام علیکم' یا 'السّام علیکم' (اَس سام علیکم) بولتے ہیں۔ یہ افسوس ناک بات ہے کیوں کہ 'سام' کے معنی عربی میں موت کے ہیں اور السّام علیکم کا مطلب ہوگا تم پر موت ہو (نعوذ باللہ)۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسلمانوں کے دشمن جان بوجھ کر مسلمانوں کو 'السّام علیکم' (تم پر موت ہو) کہتے تھے اور ایسے دشمنانِ اسلام کے سلام کا جواب 'وعلیکم' (یعنی تم پر بھی) ہی ہوسکتا ہے۔

☆ خاطر خواہ یعنی؟

چند روز قبل ایک اخبار میں سرخی دیکھی: ''فلاں سیاست داں کے اثاثوں میں خاطر خواہ کمی''۔ بہت تعجب ہوا کہ یہ کون سا سیاست داں ہے جو اپنے اثاثوں میں کمی چاہتا تھا کیوں کہ خاطر خواہ کے معنی ہیں مطلوبہ، خواہش کے مطابق۔ تفصیل پڑھی تو معلوم ہوا کہ ان صاحب کے اثاثوں میں اچھی خاصی کمی ہوگئی ہے لیکن اثاثوں میں کمی کی کسی خواہش کا ذکر نہیں تھا۔ گویا خبرنویس نے خاطر خواہ کی ترکیب کو 'کافی، بہت، اچھی خاصی' کے معنوں میں استعمال کیا تھا۔ اب جب کہ کورونا اور ڈینگو جیسے وبائی امراض کے مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے خطرہ یہ ہے کہ کوئی اخبار یہ خبر نہ چھاپ دے کہ کورونا کے مریضوں کی تعداد میں 'خاطر خواہ' اضافہ۔

اور یہ خطرہ کوئی خیالی بات نہیں ہے کیوں کہ اب تو ماشاء اللہ بعض اخبار نویس 'سِکھا' کو 'سیکھا' اور 'دِکھا' کو 'دیکھا' لکھنے لگے ہیں۔ گویا جن لوگوں کا املا چوتھی پانچویں جماعت کے بچوں سے بھی گیا گزرا ہے وہ چشمِ بددور اردو اخبارات میں خبریں لکھنے کے کام پر مامور ہیں۔

ع: اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

کچھ وضاحت 'خاطر خواہ' کی کردی جائے۔ 'خاطر' عربی کا لفظ ہے جس کے متعدد معنی اسٹین گاس نے اپنی فارسی بہ انگریزی لغت[۱۰] میں درج کیے ہیں، مثلاً جو بات دل میں آئے، وہ خیال جو ذہن میں گزرے، دھیان، ارادہ، طبیعت، مزاج، ذہن، دل۔ اب لفظ 'خواہ' کو دیکھیے۔ فارسی میں ایک مصدر ہے خواستن، جس کے معنی ہیں چاہنا، آرزو کرنا، خواہش رکھنا۔ گویا خاطر خواہ کے معنی ہیں جس کو دل چاہے، طبیعت کو جس کی خواہش ہو، جو مطلوب ہو۔ لفظ 'خواہ' اردو میں لاحقے کے طور پر استعمال ہوتا ہے، مثلاً دل خواہ (جس چیز کو دل چاہے) جس کو بعض لوگ ملا کر دلخواہ بھی لکھتے ہیں، خیر خواہ (جو خیر چاہے)، خاطر خواہ (جس کو طبیعت چاہے)، قرض خواہ (جو قرض واپس لینا چاہے)، عذر خواہ (جو عذر چاہے یعنی عذر پیش کرے)، بدخواہ (جو برا چاہے)، وغیرہ۔

گویا یہاں خبر میں 'خاطر خواہ کمی' کے بجائے واضح کمی یا نمایاں کمی لکھنا چاہیے تھا۔ ہاں اگر ملیریا کے نئے مریضوں کی تعداد اچھی خاصی کم ہوجائے تو یہ خبر یوں دی جاسکتی ہے کہ ملیریا کے مریضوں کی تعداد میں خاطر خواہ کمی۔ یعنی اضافہ یا کمی خواہش کے مطابق ہو تو اس کو خاطر خواہ لکھ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔ اگر کسی بری چیز مثلاً بیماری یا آفت میں اضافہ ہو تو اسے خاطر خواہ کہنا غلط ہے۔ اگر کسی اچھی چیز مثلاً دولت یا اثاثوں میں کمی ہوجائے تو اسے خاطر خواہ کہنا عجیب ہی سمجھا جائے گا۔ ہاں البتہ اگر کسی کا دل چاہ رہا ہو کہ اس کی دولت اِتنی حد تک کم ہو اور وہ اُتنی ہی کم ہوجائے تب کہا جائے گا کہ ان کی دولت میں خاطر خواہ کمی ہوگئی۔

لاحول ولا قوۃ۔

حواشی:

۱۔ امیر اللغات، مرتبہ امیر مینائی (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۹ء) (اشاعتِ نو، دوجلدیں یک جا)۔

۲۔ فرہنگِ آصفیہ، مرتبہ سید احمد دہلوی، ۴ جلدیں (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔

۳۔ نوراللغات مرتبہ نور الحسن نیر، ۴ جلدیں (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء)۔

۴۔ Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English، مرتبہ جان ٹی پلیٹس (John T. Platts)، (لندن: کراسبی لاک وڈ اینڈ سنز، ۱۹۱۱ء) (اشاعتِ اول ۱۸۸۴ء)۔

۵۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، ج ۱ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔

۶۔ علمی اردو لغت، مرتبہ وارث سرہندی (لاہور: علمی کتاب خانہ، ۲۰۰۵ء)۔

۷۔ غلام رسول، قاری، علم التّجوید (لاہور: مکتبۂ فروغِ تجوید وقرأت، ۱۹۶۷ء)، ص ۵۶؛ نیز شازیہ کوثر، عربی گرامر (اسلام آباد: الہدیٰ انٹرنیشنل، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۴۔

۸۔ ایضاً؛ نیز ایضاً۔

۹۔ غلام رسول، قاری، علم التّجوید، محولۂ بالا ص ۵۶۔

۱۰۔ A Comprehensive Persian-English Dictionary مرتبہ ایف اسٹین گاس (F.Steingass) لاہور: سنگ میل ۲۰۰۰ء، عکسی طباعت، اشاعتِ اول ۱۸۹۲ء)۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیر الدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-

ڈاکٹر اخلاق آثر کی شخصیت و خدمات کے مدّوجزر کا جائزہ

عارف عزیز

ڈاکٹر اخلاق آثر مشرقی تہذیب وروایات پر عمل پیرا ہونے کے دعوے دار تھے، انھیں وضعدار اور اصول پسند بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنے بیش تر اصول ونظریات انھوں نے خود وضع کیے تھے اور اُن پر کاربند ہونے کی کوشش میں وہ بارہا تنازعات کا شکار ہوجاتے تھے، جس سے تعلق رکھتے اُس پر حکم چلانا بھی چاہتے، جس کی وجہ سے ان کا حلقۂ احباب وسیع نہیں ہوسکا، غیروں سے نہیں اپنوں سے بھی اُن کا رویہ کم و بیش یہی تھا، اِس کی نفسیاتی توجیہہ تو مشکل ہے بظاہر اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاق اثر صاحب نے جتنا پڑھا لکھا، اُس کے مطابق مقام ومرتبہ نہ ملا تو وہ عدمِ آسودگی کا شکار ہو گئے۔ اُن کے معاصرین کی پیش رفت و مقبولیت کا بھی یہ ردِّعمل ہوسکتا ہے۔

اخلاق اثر کا پورا نام سید اخلاق حسین تھا، نام کے ساتھ اثر تخلص ضرور شامل تھا لیکن شاعر کی حیثیت سے اُن کی کبھی شناخت نہیں رہی۔ 19 اگست 1937 کو بھوپال کے ایک خوش حال گھرانے میں انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ تعلیم کا آغاز حسبِ دستور مکتب سے ہوا، اِس کے بعد رفیقہ جبریہ اسکول میں تعلیم جاری رہی۔ اسکول کے زمانے کے ہندو مسلم اساتذہ کی اپنائیت خاص طور پر تعلیم وتربیت میں اُن کے بےلوث کردار کو وہ یاد کرتے تھے، اپنے اساتذہ کی خوبیوں پر انھوں نے ایک دو مضامین بھی لکھے، جنھیں پڑھ کر میں نے مشورہ دیا کہ وہ اپنی خودنوشت سوانح لکھیں، لیکن یہ اُن کی عمر اور بیماری کا آخری زمانہ تھا، پیس میکر کے ذریعے اُن کا دل دھڑک رہا تھا، زندگی کے اس آخری پڑاؤ پر یادوں کو سمیٹنا اور تحریر کی ڈور میں باندھنا اُن کے لیے آسان نہ تھا۔

وہ بتاتے تھے عاشقِ اقبال ممنون حسن خاں راوی ہیں کہ سر سیّد احمد خاں ایک مرتبہ بھوپال آئے تو میرے والد سیّد مشتاق حسین نے اُن سے ملاقات کی تھی، والد کے ڈاکٹر شنکر دیال شرما سے گہرے تعلقات تھے، جن کو اخلاق آثر نے قائم رکھا اور تعلیمی کیریر بنانے میں یہ مددگار ثابت ہوئے۔ بچپن میں خاندان کے بزرگوں کی زبان سے وہ علامہ اقبال کا ذکر سنا کرتے تھے، جو شاعرِ مشرق سے ذہنی قربت اور اُن پر کام کرنے کا محرک بنا اور اقبال پر اُن کی پانچ کتابیں شائع ہوئیں، جن میں اقبال اور بھوپالیات، اقبال اور اُن کے مکاتیب نیز اقبال اور ممنون حسن خاں موضوعات پر قابلِ ذکر کام ہے۔ ممنون حسن خاں صاحب اقبال پر اخلاق اثر کے کام کے معترف تھے۔ 1986 میں وزیرِ اعلا ارجن سنگھ کے دور میں جب کُل ہند علامہ اقبال ادبی مرکز قائم ہونے لگا تو ممنون صاحب اخلاق آثر کو اِس کا ممبر بنوانا چاہتے تھے۔ مدھیہ پردیش حکومت کے کلچرل سکریٹری اشوک واجپئی یہ کام دیکھ رہے تھے، اِسی اثنا میں اخلاق آثر نے اپنی طبع اُفتاد کی بنا پر کسی بات سے ناراض ہوکر اشوک واجپئی کے خلاف وزیرِ اعلا ارجن سنگھ کو خط لکھ دیا، جس پر واجپئی جی چراغ پا ہوگئے اور اخلاق صاحب کا نام ممبران کی فہرست سے یہ کہہ کر کاٹ دیا کہ میری موجودگی میں یہ مرکز کے ممبر نہیں بن سکیں گے۔ اخلاق اثر کی زندگی میں بات بے بات کسی بھی ناگواری پر فوری ردِّعمل کے ایسے متعدد مظاہرے ہوئے ہیں، جن سے اُن کو نقصان پہنچا، مثال کے طور پر کسی شخصیت کی تعریف وتوصیف میں مضامین یا کتاب لکھ دینا اور بعد میں ناراض ہوکر اُس سے منحرف ہوجانا اور اپنی تحریر کو واپس لینے کا اعلان کر دینا، اسی طرح علمی وادبی مسائل پر رائے کے اختلاف پر اخبارات اور افراد کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا، ادبی پروگراموں میں شرکت کی منظوری دے کر عین وقت پر غیر حاضر رہنا۔ راقم بھی اُن کی اِس مزاجی کیفیت کا شکار ہوا لیکن وہ تعلقات منقطع کرنے کے انتہائی قدم سے باز رہا جس کے نتیجے میں 35 سال تک اُن سے سرد وگرم دوستی کا رشتہ قائم رہا اور اُن کی گرم جوشی کے مظاہرے بھی ہوتے رہے۔ مثلاً انھوں نے اقبال اکادمی کی تشکیل دی تو کافی پہلے 1986 میں صحافت پر 'مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ' راقم کو دیا، اِس کی شاندار تقریب منعقد کی اور عمدہ سووینیر بھی شائع کیا۔

راقم نئی کتابوں کی اشاعت پر اُس کی تقریبِ رونمائی یا ایوارڈ و انعام ملنے پر تہنیتی جلسے کرنے کا قائل نہیں تھا، لیکن اخلاق صاحب اور پروفیسر آفاق صاحب ایسے پروگرام کرنے پر اصرار کرتے تھے لہٰذا 2013 میں راقم کو پریس کونسل آف انڈیا کا 'نیشنل ایوارڈ فار ایکسی لنس اِن اردو جرنلزم' ملا تو اخلاق صاحب نے ایک مشاورتی جلسے میں زور دے کر تہنیتی تقریب اور شخصیت و خدمات پر مضامین کے مجموعے کی اشاعت پر اصرار کیا اور اِس کے لیے کمیٹی بھی بنوائی، جس نے حاجی محمد ہارون صاحب کی سربراہی میں یہ کام انجام دیا لیکن اخلاق صاحب خود اس پروگرام میں شریک نہیں ہوئے۔ ان کو شکایت تھی تقریب کے دعوت نامے میں اُن کا نام مناسب طور پر درج نہیں ہوا۔ ڈاکٹر آثر سے راقم کے تعلقات اُس وقت استوار ہوئے جب روزنامہ 'آفتابِ جدید' کے یکایک بند ہونے پر روزنامہ 'افکار' کی بھوپال میں تجدید ہوئی اور غیر متوقع طور پر راقم کو اِس اخبار کا اڈیٹر بنایا گیا۔ وہ اکثر دفتر 'افکار' آجاتے، مجھے مشورے دیتے اور ہمت افزائی بھی کرتے۔ اپنے تعلیمی نشیب وفراز پر بھی روشنی ڈالتے۔ وہ بتاتے تھے کہ 1904 میں بھوپال سے ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد انٹر کے امتحان میں فیل ہو گئے، بجلی اور کئی دیگر محکمات میں ملازمت کرنے کے بعد نوکری کی تلاش انھیں دہلی لے گئی، جہاں وہ سینٹرل میکائنڈ فارم میں کام کرنے لگے، جمعیۃ علماے ہند کے دفتر گلی قاسم جان میں اُن کی رہائش کا بندوبست ہوگیا، یہ ممبر پارلیمنٹ اور جمعیۃ علما کے صدر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا دور تھا، اخلاق صاحب دن میں سرکاری ملازمت کی ذمے داری ادا کرتے اور رات کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی خط وکتابت ٹائپ کرنے میں اُن کے پی.اے کی مدد کرتے، اسی عرصے میں اُن کی ملاقات جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج نئی دہلی کے پرنسپل اعزاز الدین صاحب سے ہوگئی، جو بھوپال ہی کے تھے۔ انھوں نے اخلاق صاحب کو جامعہ کالج میں ملازمت کی پیش کش کی اور وہ سرکاری ملازمت چھوڑ کر جامعہ میں کام کرنے لگے، اُس وقت جامعہ کالج سرکاری محکمہ کے مقابلے میں ایک غیر اہم ادارہ تھا، ٹائپ جاننے کی بنا پر اخلاق صاحب کو پرنسپل نے پرائیویٹ اور سرکاری مراسلے ٹائپ کرنے کا کام دے دیا، وہ امتحان کے پیپر بھی ٹائپ کرنے لگے۔ کالج کے ماحول کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ اخلاق اثر کو مزید تعلیم کا شوق پیدا ہوگیا، لیکن امتحان کے پرچے ٹائپ کرنے کی وجہ سے وہ جامعہ کالج سے امتحان میں شریک نہیں ہوسکے اور کالج کی ملازمت سے مستعفی ہوکر بھوپال لوٹ آئے اور آل انڈیا ریڈیو بھوپال میں ملازم ہو گئے۔ اِسی ملازمت کے دوران اُنھوں نے سیفیہ کالج سے بی اے اور حمیدیہ کالج سے ایم اے اردو کیا، یہ حمیدیہ کالج کا سنہرا دور تھا۔ اردو کے مایۂ ناز محقق وناقد پروفیسر گیان چند جین اور پروفیسر ابومحمد سحر اُن کے استاد تھے۔ اخلاق اثر نے اردو کے بعد انگریزی میں بھی ایم اے کیا جب کہ پی ایچ ڈی کا رجسٹریشن ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کی زیرِ نگرانی ہوا لیکن اُن کے انتقال کے بعد سحر صاحب کی نگرانی میں انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ایوارڈ ہوئی، جس کا موضوع 'ریڈیو ڈرامہ کا فن' تھا، جو کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اِس کے بعد اخلاق اثر نے انگریزی میں ایجوکیشن پر پی ایچ ڈی کی دوسری ڈگری حاصل کی، دو ایم اے اور دو پی ایچ ڈی کے ڈگری یافتہ ہونے کے باوجود انھیں ریجنل کالج آف ایجوکیشن (این سی ای آرٹی) میں ملازمت کے لیے اُس وقت کے کانگریس صدر ڈاکٹر شنکر دیال شرما کی سفارش حاصل کرنی پڑی۔ انھوں نے ایک انٹرویو میں جو ماہنامہ 'ہلچل' میں شائع ہوا، بتایا ہے کہ ملازمت کے لیے ان کا انٹرویو حیدرآباد میں ہوا تھا حالاں کہ یہ انٹرویو 2 جولائی 1975 کو نئی دہلی میں ہونا مصدقہ ہے۔ وہ پہلے لیکچرر اور بعد میں 1994 تک ریڈر کے عہدے پر فائز رہے۔ اس محکمے میں وہ فیلڈ ایڈوائزر برائے ہماچل پردیش، اس کے بعد پنجاب، ہریانہ، چنڈی گڑھ میں تعینات رہ کر 1997 میں حسنِ خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

ڈاکٹر اخلاق اثر کی قلمی سرگرمیوں کا آغاز بہت پہلے 1952 میں ہوگیا تھا، پہلا افسانہ 'پگلی' جس پر انھیں انٹر کالج مقابلے میں اول انعام ملا۔ وہ ابتدا سے آل احمد سرور کی شگفتہ تحریر اور احتشام حسین کے تنقیدی مضامین کے گرویدہ تھے، دونوں کی دل پذیر تحریروں کی روشنی میں انھوں نے اپنی راہیں متعین کرنے کی کوشش کی۔ تدریس کے شعبے سے وابستہ ہونے کے بعد خود بھی تنقیدی و تحقیقی مضامین لکھنے لگے جو 'ہماری زبان'، 'آفتاب جدید'، 'ندیم'، 'شاعر'، 'پیامِ تعلیم'، 'نئی دنیا' وغیرہ رسائل و اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ جہاں تک افسانہ نگاری کا تعلق ہے، ان کے افسانے ملک کے مختلف ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہوئے، جن میں بھوپال اور شملہ ریڈیو قابلِ ذکر ہیں۔ اُن کے شاہکار افسانوں میں 'پگلی' جس کا ذکر ہو چکا، کے علاوہ 'پتہ ٹوٹا ڈال سے'، 'پھر وہی آواز'، 'کون آواز دے رہا ہے'، 'کالی بستی'، 'یہ گھر یہ کھلیان'، 'کنواری ماں'، 'نئی صبح'، 'دریاے نربدا امرکنٹک سے بحرِ ہند تک'، 'ایک دل، ایک پیاس'، 'اتنی جلدی'، 'شکسپیرین پرسنلٹی' (انٹر کالج کمپیٹیشن انعام یافتہ) شامل ہیں، تاہم اخلاق اثر کے افسانوں کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ ایک مجموعہ شائع ہوجاتا۔ انھوں نے ڈرامے کے فن پر تو کام کیا لیکن ریڈیو ڈرامے دو ہی قلم بند کیے: پہلا 'پھر وہی آواز'، دوسرا 'یادوں کے پھول'۔ یہ ڈرامے پسند کیے گئے۔ 'پھر وہی آواز' آل انڈیا ریڈیو کمپیٹیشن میں چین (Chain) براڈ کاسٹ ہوا، یعنی یہ ڈرامے ہر روز ملک کے کسی نہ کسی ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتا تھا۔

ڈاکٹر اخلاق آثر پر پی ایچ ڈی کے لیے تحقیقی مقالہ جموں کے ریسرچ اسکالر ڈاکٹر محمد مجید نے 'اخلاق آثر: شخصیت وفن' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ اس مقالے میں انھوں نے آثر صاحب کی کتابوں کی تعداد 18 درج کی ہے، جس میں ڈرامے کے فن پر پانچ کتابیں شامل ہیں۔ ایک کتاب 'مٹھی بھر دھول' کو ان کی مرتّبہ کتاب بتایا ہے، حالاں کہ قمر جمالی کے ڈراموں کا یہ مجموعہ مصنف (قمر جمالی) نے خود مرتب کر کے شائع کیا ہے، اس پر اخلاق اثر نے تفصیلی مقدمہ ضرور لکھا ہے۔ ڈرامے پر اُن کی تیسری کتاب جو 1978 میں شائع ہوئی، اس پر اخلاق آثر کے استاد ڈاکٹر گیان چند جین کا تبصرہ روزنامہ 'آفتاب جدید' بھوپال کے سنڈے ایڈیشن میں 13 دسمبر 1981 کو ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

بی ایڈ طلبہ کو اردو میں پرچۂ سوالات کی عدمِ سہولت

متعلّقہ محکمہ سے نمائندگی کرنے کے لیے جناب عامر علی خاں کی یقین دھانی

بودھن، تلنگانہ (29 اکتوبر)۔ بودھن ڈویژن کے ایڈ پلی منڈل میں واقع اذان بی ایڈ کالج کا جناب عامر علی خاں (نیوز اڈیٹر روزنامہ 'سیاست' ورکنِ قانون ساز کونسل) نے 28 اکتوبر 2024 کی سہ پہر دورہ کیا جہاں جناب عامر علی خاں کا کالج کے چیئرمین خضر احمد اور سکریٹری کرسپانڈنٹ ڈاکٹر شہباز احمد نے ایم ایل سی نامزد کیے جانے کے بعد پہلی مرتبہ اقلیتی بی ایڈ کالج کا دورہ کرنے پر ان کا والہانہ خیر مقدم کیا۔ چیئرمین و کرسپانڈنٹ سکریٹری نے مسلم طالبات کو بی ایڈ کی تعلیم حاصل کرنے میں درپیش مسائل سے ایم ایل سی موصوف کو واقف کروایا۔ امتحان کے پرچۂ سوالات صرف انگریزی اور تلگو زبان میں ہونے کی وجہ سے طالبات کو امتحان لکھنے میں دقت محسوس ہوتی ہے جب کہ جوابات اردو کے علاوہ کسی بھی علاقائی زبان میں لکھنے کی اجازت ہے۔ چیئرمین نے بتایا کہ طلبہ کو اگر سوالات جلد سمجھ میں آئے تو انھیں جوابات لکھنے میں سہولت ہوگی۔ کرسپانڈنٹ سکریٹری نے بتایا کہ تقریباً سات سال قبل تک پرچۂ سوالات تین زبانوں: انگریزی، تلگو اور اردو میں دیے جاتے تھے لیکن سات سال قبل اردو زبان میں پرچۂ سوالات کی فراہمی اچانک بند ہوئی جب کہ انگریزی اور تلگو زبان میں پرچۂ سوالات کا سلسلہ جاری ہے۔ جناب عامر علی خاں نے اذان کالج کی جانب سے پیش کیے گئے مسائل کی بغور سماعت کی اور ان مسائل کے حل کے لیے کالج انتظامیہ سے تمام تفصیلات فراہم کرنے کی خواہش کی۔ اذان بی ایڈ کالج میں مسلم طالبات کی کثیر تعداد کی تعلیم حاصل کرنے کی اطلاع پر انھوں نے مسرت کا اظہار کیا نیز تعلیم و تربیت دینے کے لیے جدید عصری طریقوں کے استعمال کے لیے انتظامیہ کو تجاویز بھی پیش کیں۔

(سیاست۔حیدرآباد)

امریکہ کے کئی پولنگ اسٹیشنوں پر انگریزی کے ساتھ اردو زبان میں بھی بیلٹ پیپر دستیاب ہوں گے

واشنگٹن (31 اکتوبر)۔ امریکہ میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں اب انگلش کے ساتھ اردو میں بھی بیلٹ پیپر دستیاب ہوں گے۔ امریکہ میں 5 نومبر کو صدارتی انتخابات ہونے جارہے ہیں جن کے لیے بہت سی ریاستوں میں قبل از وقت ووٹنگ کا آغاز بھی ہوچکا ہے۔ امریکی انتخابات میں انگلش کے ساتھ ساتھ اب اردو زبان میں بھی بیلٹ فراہم کیے جارہے ہیں۔ اردو زبان میں بیلٹ پیپر کی سہولت انگریزی زبان نہ سمجھنے والوں کے لیے ہے اور امریکی قانون انگریزی نہ سمجھنے والوں کو رائے دینے کا حق فراہم کرتا ہے۔ شکاگو بورڈ آف الیکشن کے مطابق ہر پولنگ اسٹیشن پر ٹچ اسکرین ووٹنگ مشین اور آڈیو بیلٹ بھی موجود ہوگی جب کہ شکاگو کے مختلف پولنگ اسٹیشنوں پر اردو میں بھی بیلٹ پیپر دستیاب ہوں گے۔ شکاگو بورڈ آف الیکشن کا یہ بھی کہنا ہے کہ ووٹ ڈالنے کے لیے ووٹر اپنے ساتھ ترجمان بھی لاسکتے ہیں۔

(سیاست۔حیدرآباد)

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کی ممبئی سمیت کئی شہروں میں اشاعت بند

عملے کو تبادلے یا استعفے کی پیش کش، اکثریت نے استعفا دے دیا

ممبئی (31 اکتوبر)۔ اردو دنیا کے لیے انتہائی رنج وغم کا موقع ہے کہ معروف کارپوریٹ کمپنی سہارا انڈیا کے تحت سہارا انڈیا ماس میڈیا نے اردو اخبار روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کی ممبئی سمیت کئی شہروں میں اپنی اشاعت آج سے بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ذرائع کے مطابق عروس البلاد ممبئی، کولکتہ اور بنگلورو کی اشاعت بند کردی گئی ہے اور اس موقعے پر اخبار کے عملے کو پہلی پیش کش یہ کی گئی کہ وہ لکھنؤ، دہلی اور گورکھپور تبادلہ کرلیں جب کہ دوسری پیش کش کی گئی کہ وہ اگر تبادلہ نہیں چاہتے ہیں تو استعفا دے دیں۔ انھیں ان کے کئی سال کے بقایا جات دینے کے بارے میں کمپنی نے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا ہے جو کہ ایک افسوس ناک پہلو ہے۔ اس طرح سبھی جگہ عملے کو مبینہ طور پر استعفا دینے پر مجبور کیا گیا۔ واضح رہے کہ ممبئی، کولکتہ اور بنگلورو ایڈیشن کو 18-17 سال کا عرصہ ہوگیا تھا۔ ذرائع کے مطابق فی الحال نئی دہلی، حیدرآباد، لکھنؤ اور گورکھپور سے روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کی اشاعت بند نہیں ہوگی۔ ویسے حیدرآباد کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ سہارا انڈیا کے روحِ رواں آنجہانی سبرت رائے نے چند سال قبل ممبئی میں سہارا اسٹار میں کمپنی کے عملے سے ویڈیو کانفرنسنگ سے خطاب کرتے ہوئے ایک سینئر صحافی اور ممبئی ایڈیشن کے اڈیٹر جاوید جمال الدین کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اردو ایک شیریں زبان ہی نہیں بلکہ ہندستان کی گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔ اترپردیش میں گورکھپور، کان پور اور دہلی ایڈیشن کے بعد کولکتہ، پٹنہ، ممبئی، حیدرآباد اور بنگلورو سے اخبار کی اشاعت شروع ہوئی تھی۔ حیدرآباد میں مقامی صحافی شوکت علی صوفی اور جیلانی خان نے ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ بنگلورو ایڈیشن 7 جولائی 2007 کو نکالا گیا اور جاوید جمال الدین کی ادارت میں کافی پھلا پھولا تھا لیکن انھیں اس درمیان ممبئی طلب کرلیا گیا اور انھیں ممبئی کی کئی اہم ذمے داریاں دے دی گئیں جن میں انتظامی امور بھی شامل تھے۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کو ملک بھر میں شروع کرنے اور اردو صحافت کو 2000 کے عشرے میں نئی زندگی دلوانے میں گروپ اڈیٹر عزیز برنی کا اہم رول رہا ہے، جنھوں نے شمالی ہند میں ہی نہیں بلکہ مغربی، مشرقی اور جنوبی ہند سے بھی کئی ایڈیشن نکال کر اردو کا بول بالا کردیا۔

(اردو ٹائمز۔ممبئی)

گاندھی ہاسپیٹل کے سوپر اسپیشلٹی دواخانہ برائے خواتین و اطفال کے سائن بورڈ پر اردو زبان نظر انداز

حیدرآباد (یکم نومبر)۔ پچھلے دنوں گاندھی ہاسپٹل کے سوپر اسپیشلٹی دواخانہ اور ہاسٹل بلڈنگ کا سنگِ بنیاد ریاستی وزیرِ صحت جناب دامودھر راج نرسمہا اور وزیرِ ٹرانسپورٹ و انچارج حیدرآباد جناب پونم پربھاکر اور رکنِ پارلیمنٹ جناب ایم انل کمار یادو و دیگر قائدین کے ہمراہ افتتاح عمل میں آیا اور ان حضرات نے دواخانے کا تفصیلی معائنے کے علاوہ راست مریضوں سے بھی بات چیت کرتے ہوئے حالات کا جائزہ لیا۔ کانگریس قائد جناب محمد واجد حسین (سابق کارپوریٹر) جو اس تقریب میں شریک تھے، جب ان کی نظر سوپر اسپیشلٹی دواخانے کے سائن بورڈ پر پڑی تو انھیں بہت ہی دکھ ہوا اور انھوں نے فوری گاندھی ہاسپٹل کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر این راجکماری سے نمائندگی کرتے ہوئے توجہ دلوائی جنھوں نے کہا کہ مجھے صرف ایک ہفتہ ہوا یہاں ڈیوٹی جوائن کرتے ہوئے، آپ کی شکایت پر عمل درآمد کرتے ہوئے سائن بورڈ پر اردو زبان ضرور درج کی جائے گی۔ جناب محمد واجد حسین نے سرکاری عہدیداروں اور ذمے داروں کی بڑھتی لاپرواہی پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے ریاستی وزیرِ اعلا جناب ریونت ریڈی، وزیرِ صحت جناب دامودھر راج نرسمہا، ریاستی اردو اکیڈمی کے صدر نشیں جناب طاہر بن حمدان کے ساتھ ساتھ گاندھی ہاسپٹل کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر این راجکماری کو ایک تفصیلی مکتوب روانہ کرتے ہوئے توجہ دلوائی اور مطالبہ کیا کہ ایسے لاپرواہ عہدے دار جو صرف وزرا کو خوش کرنے کا کام زیادہ کرتے ہیں اور اردو جو ریاست تلنگانہ کی دوسری سرکاری زبان ہے اسے عمداً نظر انداز کررہے ہیں، ان کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جانی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ فوری گاندھی ہاسپٹل کے سوپر اسپیشلٹی دواخانے کے نئے سائن بورڈ پر اردو تحریر کروانے کے لیے احکام جاری کریں۔ (سیاست۔حیدرآباد)

سرکاری جونیر کالجوں کو جلد نئے اور مستقل لکچرر حاصل ہوں گے

حیدرآباد (یکم نومبر)۔ ریاست کے سرکاری جونیر کالجوں کو جلد ہی نئے اور مستقل لکچرر حاصل ہوں گے کیوں کہ جونیر لکچرر کے عہدوں کو پُر کرنے کا عمل تقریباً مکمل ہوچکا ہے۔ 8 نومبر کو تقررناموں کی اجرا کا امکان ہے۔ ذرائع کے مطابق ریاستی حکومت نے متعلقہ حکام کو اس سلسلے میں احکامات جاری کرتے ہوئے منتخب امیدواروں کو تقررنامے حوالے کرنے کے انتظامات کرنے کی خواہش کی ہے۔ بی آر ایس کے دورِ حکومت میں تلنگانہ پبلک سروس کمیشن نے 2022 میں سرکاری جونیر کالجوں میں 1392 جونیر لکچرر کے عہدوں پر تقرر کے لیے اعلامیہ جاری کیا تھا۔ تحریری امتحان 12 ستمبر تا 3 اکتوبر 2023 منعقد کیا گیا تھا۔ بعد ازاں پبلک سروس کمیشن نے اسناد کی جانچ کے لیے عام زمرے کے لیے 1.2 اور پی ڈبلیو ڈی زمرے کے لیے 1.5 کے تناسب سے امیدواروں کا انتخاب کیا تھا۔ 5 اگست تا 11 ستمبر اسناد کی جانچ کی گئی۔ کمیشن نے اسناد کی جانچ کے بعد جونیر لکچررس کے عہدوں کے لیے عبوری سلیکشن لسٹ بھی جاری کی تھی۔ تقرری کا عمل اب تقریباً مکمل ہوگیا ہے۔ حکومت نے خواہش کی ہے کہ 8 نومبر کو تقررناموں کے اجرا کے لیے مناسب انتظامات کیے جائیں۔ سرکاری ذرائع نے بتایا کہ جونیر لکچرر کے 5395 عہدے منظور کیے گئے تھے۔ فی الحال 3671 لکچرر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ (اعتماد۔حیدرآباد)

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 350 روپے

اسٹینڈرڈ
انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

غالب کی شاعری کومختلف زاویوں سے پڑھنے کی ضرورت ہے: پروفیسرسید سجادحسین

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِاہتمام بہ اشتراک کالی کٹ یونی ورسٹی (کیرالا) دوروزہ قومی سمینار کا افتتاح

ملاپورم (پریس ریلیز، 5 نومبر)۔ غالب اردو کا ایسا شاعر ہے کہ جہاں کسی کی نظرنہیں جاتی وہاں ان کا ذہن پہنچ جاتا ہے۔ ان کے شعری مزاج کوسمجھنے کے لیے ایک نقطۂ نظر کافی نہیں بلکہ مختلف زاویوں سے غور کرنے پر ان کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر سید سجاد حسین نے غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام بہ تعاون کالی کٹ یونیورسٹی (ملاپورم، کیرالا) منعقدہ دوروزہ قومی سمینار بعنوان 'غالب شناسی: عہدِ حاضر کے آئینے میں' کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ غالب کسی مخصوص وقت یا دور کے شاعرنہیں ہیں بلکہ ان کی شاعری ہرزمانے پرحاوی ہے۔ سمینار کا افتتاح کالی کٹ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر پی۔ رویندرن نے ای. ایم. ایس سمینار ہال، کالی کٹ یونیورسٹی میں کیا۔ افتتاحی تقریر میں انھوں نے کہا کہ غالب کی شاعری کا جادو صرف اردو تک محدودنہیں، بلکہ ہر میدان کے افراد ان سے کسی نہ کسی طور پر متاثر نظر آتے ہیں چاہے وہ فلمی دنیا ہو یا سیاست داں افراد۔ یہ جادو کسی فیشن کی طرح نہیں ہے کہ سب نے کہا تو ہم بھی دہرانے لگے۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت صدر شعبۂ اردو کالی کٹ یونیورسٹی پروفیسر نکولن کے. وی نے کی۔ انھوں نے کہا کہ شعبۂ اردو کالی کٹ یونیورسٹی زیادہ پرانا نہیں ہے لیکن اس کم مدت میں بھی ہماری سرگرمیاں قابلِ لحاظ ہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نے اتنی طویل مسافت طے کرکے یہاں سمینار منعقد کیا جس سے اس خطے میں غالب شناسی کی نئی روایت شروع ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ اس سمینار کے مقالے اس عہد میں غالب سے وابستگی رکھنے والوں کو نیا زاویۂ نظر پیش کرسکیں گے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے استقبالیہ کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ سال میں دو بار دہلی سے باہر غالب سمینار منعقد کرتا ہے اور ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ان جگہوں کا انتخاب کیا جائے جہاں اردو سے متعلق سمینار کم ہوتے ہیں۔ اس سمینار کے انعقاد سے اس خطے کے لوگوں میں غالب کی شاعری میں دل چسپی پیدا ہوگی۔ ہماری کوشش رہتی ہے کہ جس علاقے میں سمینار منعقد ہو مقالہ خوانی میں اسی خطے کی زیادہ سے زیادہ نمائندگی بھی ہو۔ مہمانِ خصوصی پروفیسر صفیہ بی نے کہا کہ بہت سے اچھے شاعر ہیں جن کا کلام ہمیں متاثر کرتا ہے لیکن آپ ان کو دو چار بار سے زیادہ نہیں پڑھ سکتے لیکن غالب کو جتنی مرتبہ پڑھیں ایک نئی دنیا سامنے آتی ہے۔ اس موقعے پر پروفیسر پرمود۔ کے، کو استقبالیہ دیا گیا۔ اظہارِ تشکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد امان اے. کے. نے کہا کہ غالب انسٹی ٹیوٹ اردو کا سب سے فعال ادارہ ہے ہمیں بے حد خوشی ہوئی کہ اس ادارے نے کیرالا جیسی دورافتادہ جگہ کا انتخاب کیا جہاں واقعی اس قسم کے سمیناروں کی ضرورت ہے۔ میں غالب انسٹی ٹیوٹ اور سمینار میں شریک ہونے والے تمام افراد کا شکر گزار ہوں۔ اس اجلاس کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر محمد رضوان اور محترمہ اپرنا ایم. ایس. نے انجام دیے۔ افتتاحی اجلاس کے بعد شامِ غزل کا اہتمام کیا گیا جس میں معروف غزل سنگر جناب سراج عمل اور محترمہ ساریکا گریش نے غالب اور دیگر شعرا کا کلام پیش کیا۔

وکست بھارت 2047@ کے وژن اور مشن میں اردو ادب کو بھی اہم کردار ادا کرنا چاہیے

ڈاکٹر شمس اقبال

قومی اردو کونسل کے زیراہتمام جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں منعقدہ سہ روزہ قومی سمینار اختتام پذیر

نئی دہلی (پریس ریلیز، 10 نومبر)۔ قومی اردو کونسل کے زیرِ اہتمام ہندستانی زبانوں کا مرکز جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے اشتراک سے منعقدہ سہ روزہ قومی سمینار آج اختتام پذیر ہوا۔ اختتامی اجلاس میں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے کہا کہ یہ ڈیجیٹل ایج ہے۔ سائنسی وتکنیکی ترقیات کے اس عہد میں ترجیحات تیزی سے بدل رہی ہیں، تقاضے تبدیل ہورہے ہیں، بزمِ جہاں کا انداز بدل رہا ہے، اس لیے ہمیں بھی اپنا اندازِ فکر اور طرزِ احساس بدلنا ہوگا۔ زبان وادب کو بہت سے کلیشوں سے آزاد کرنا ہوگا۔ انھوں نے مزید یہ کہا کہ اس سہ روزہ سمینار نے میرے ذہن میں سوالات کے کچھ نئے سلسلوں کو بھی جنم دیا کہ کیا ہمارا ادب ایک ہی سوئی کی نوک پر ٹھہرا ہوا ہے، کیا چند ہی نکات و نظریات میں ہمارا ادب محصور ہے؟ کیا ہمارا ادب حال اور مستقبل سے ہمیں جوڑنے میں ناکام ہے؟ ادب کے تعلق سے بہت سے سوالات ہیں جن کے جوابات اب ہمیں تلاش کرنے ہوں گے۔ ہمیں اپنے ادب کو ملک و معاشرے سے جوڑ کر دیکھنا ہوگا اور ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ وزیراعظم عزت مآب جناب نریندر مودی کے وکست بھارت 2047@ کے وژن اور مشن میں ہمیں کس طرح حق ادائی کرسکتے ہیں۔ اس موقعے پر پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہا کہ یہ سمینار ادب کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی ایک کوشش ہے۔ انھوں نے اس موقعے پر ایک قرارداد پیش کی جس میں ملک کے مختلف حصوں میں کونسل کی جانب سے ثقافتی تقریبات کا انعقاد اور تمام ریاستوں کے ادیبوں کی نمائندگی پر بھی زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ کونسل کو ایک ایسا پورٹل تیار کرنا چاہیے جس میں ہندستانی جامعات کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات کی فہرست ہو۔ ادبِ اطفال پر خصوصی توجہ دینے پر بھی زور دیا۔ اس اہم سمینار میں تعاون کے لیے حکومت ہند کا بھی شکریہ ادا کیا۔ اس کے علاوہ پروفیسر احمد محفوظ، پروفیسر ابوبکر عباد کے ساتھ پروفیسر غضنفر، پروفیسر محمد علی جوہر، پروفیسر شہاب عنایت ملک، ڈاکٹر نصیب علی اور ڈاکٹر انوپما پول نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور سمینار کو ہر زاویے سے کامیاب قرار دیا۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر شفیع ایوب نے بحسن وخوبی انجام دی۔

اختتامی سیشن سے قبل دو سیشن ہوئے۔ پانچویں تکنیکی اجلاس کی صدارت پروفیسر اسلم جمشید پوری اور ڈاکٹر خاور نقیب نے کی۔ اس نشست میں ڈاکٹر ارشاد نیازی، ڈاکٹر نورالحق اور ڈاکٹر ایس محمد یاسر نے مقالات پیش کیے۔ ڈاکٹر خاور نقیب نے صدارتی کلمات میں کہا کہ دیگر زبانوں میں جو ادب ہے اس کا ہم تقابلی مطالعہ کریں تاکہ بین لسانی اور بین ثقافتی چیزیں سامنے آئیں۔ تقابلی مطالعے کے فوائد اور اہمیت پر توجہ دینے کی مزید ضرورت ہے۔ پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ نئی صدی میں جو تبدیلیاں آئی ہیں اس کو نشان زد کرنا اس سمینار کا مقصد ہے۔ مصنوعی ذہانت اور تکنیکی وسائل کو سمجھ کر ہی ادب کو آگے لے جایا جاسکتا ہے۔ اس نشست کی نظامت جے این یو کے ریسرچ اسکالر نوید رضا نے کی۔

چھٹے اجلاس کی صدارت پروفیسر شمس الہدیٰ دریابادی اور محترمہ یاشکا ساگر نے کی جب کہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر عبدالباری نے انجام دیے۔ اس نشست میں ڈاکٹر پرویز احمد، ڈاکٹر سیدہ بانو، ڈاکٹر خان محمد آصف اور ڈاکٹر شبنم شمشاد نے مقالات پیش کیے۔ صدارتی تقریر کرتے ہوئے پروفیسر شمس الہدیٰ دریابادی نے تمام مقالات پر تفصیلی گفتگو کی، خاص طور پر مصنوعی ذہانت کے حوالے سے انھوں نے پرمغز گفتگو کی اور اہم اشارے پیش کیے۔ سہ روزہ قومی سمینار کے تیسرے دن دلی کی تینوں یونیورسٹیوں کے طلبا اور طالبات نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ان کے علاوہ دیگر معززین ادب بھی اس میں موجود رہے۔

☆☆☆

رفتید ولے نہ از دلِ ما

عارف نقوی

جرمنی۔ اردو کے مشہور وممتاز ادیب، ترقی پسند تحریک کے بانی سجاد ظہیر کے ساتھی اور اردو انجمن برلن کے بانی اور صدر عارف نقوی صاحب کا 29 اکتوبر 2024 کو برلن، جرمنی میں حرکتِ قلب بند ہوجانے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔ وہ 90 برس کے تھے۔ اردو ادب اور خاص طور پر یورپ، جرمنی اور برلن کی ادبی فضا عارف نقوی صاحب کی اس اچانک رحلت سے اداس ہوگئی ہے۔ اردو زبان وادب کی ترویج کے لیے عارف نقوی کی خدمات برسوں یاد رکھی جائیں گی۔

عارف نقوی 2 مارچ 1934 کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لکھنؤ یونی ورسٹی سے گریجویشن اور 1959 میں اردو ادب میں ایم. اے کی ڈگری حاصل کی۔ زمانۂ طالب علمی میں وہ میر، غالب اور اقبال سے بہت متاثر تھے۔ بعد میں حسرت موہانی اور جگر مرادآبادی کی رومانی شاعری نیز فیض، مجاز، ساحر، سردار جعفری اور مخدوم محی الدین کے گرویدہ ہوگئے اور خود بھی شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے اور اس زمانے کی ادبی تحریکوں میں بھی نمایاں رہے۔

عارف نقوی صاحب کی تقریباً دو درجن کتابیں منظرِ عام پر آئیں جو اردو، ہندی، انگریزی اور جرمن زبانوں میں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں 'تلاشِ سحر'، 'زخموں کے چراغ'، 'جرمنی کل اور آج'، 'پیاسی دھرتی جلتے سایے'، 'خلش'، 'کھلتی کلیاں'، 'یادوں کے چراغ'، 'نقوشِ آوارہ'، 'نصف صدی جرمنی میں'، 'کیرم سے رشتہ' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

جرمنی میں رہ کر عارف نقوی نے اردو کے قلم کاروں کی نگارشات سے جرمن والوں کو واقف کرانے کا اہم کام بھی بہ حسن وخوبی انجام دیا۔

جمیل احمد مرصع پوری

ممبرا، مہاراشٹر۔ اردو کے معروف شاعر وصحافی جناب ندیم صدیقی کے والد اور عالمی شہرت یافتہ بزرگ شاعر جناب جمیل احمد مرصع پوری طویل علالت کے بعد 31 اکتوبر 2024 کو ممبرا میں انتقال کرگئے۔ جناب جمیل احمد مرصع پوری 15 جولائی 1931 کو ضلع پرتاپ گڑھ کے قریب واقع گاؤں مرصع پور، کوپریاواں میں پیدا ہوئے اور ممبرا اسٹیشن کے قریب رضوی باغ میں مقیم تھے۔ 95 برس کی عمر گزار کر وہ اس دارِ فانی سے کوچ کرگئے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ مرصع پور میں حاصل کی جہاں ان کے استادِ محترم انجم فوقی بدایونی تھے۔ بعد میں انھوں نے ممبئی کا رخ کیا اور یہاں شکیل، مجروح اور دیگر نامور شعرا کے ساتھ رفاقت میں رہے۔ ان کا ایک اہم شعری مجموعہ 'بے نام سی خوشبو' کے نام سے شائع ہوا، جس کا پیش لفظ اردو ادب کے ممتاز شاعر قیصر الجعفری اور محقق ونقاد پروفیسر مجاہد حسین حسینی نے تحریر کیا ہے۔ اپنی جوانی میں جمیل احمد نہایت خوب صورت اور خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے جس کی وجہ سے ان کے بہت سے دوست ان سے حسد کرتے تھے۔ وہ ہر کسی سے، چاہے بڑے شاعر ہوں یا معمولی، خلوص اور خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ آپ مشاعروں اور ادبی پروگراموں کا انعقاد بھی کرتے تھے اور ہر سال علامہ اقبال کی سالگرہ مناتے تھے جس میں ممبئی اور گردونواح کے بڑے بڑے شعرا اور ادبا شرکت کرتے تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **خودنوشت سوانحی ادب: تعارف وتجزیہ**
(کتابِ اوّل)
مصنف : ڈاکٹر سیّد وجاہت مظہر
ضخامت : 310 صفحات
قیمت : 600 سو روپے
ملنے کا پتا : T-116/1، سیکنڈ فلور، مین مارکیٹ، اوکھلا گاؤں، نئی دہلی-110025
تبصرہ نگار : ڈاکٹر وردانجم

حال ہی میں منظرِ عام پر آنے والی کتاب 'خودنوشت سوانحی ادب: تعارف وتجزیہ (کتابِ اوّل)' اردو ادب کی ایک اہم صنف یعنی خودنوشت سوانح نگاری کا مدلل تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کرتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر سید وجاہت مظہر ہیں۔ یہ کتاب 15 ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں خودنوشت سوانحی ادب کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے اس کی ہیئت و دیگر لوازمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ بیتی لکھتے وقت پیش آنے والی دشواریوں کا محاسبہ کیا گیا ہے اور بطور صنفِ ادب اس کے امکانات اور مستقبل پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ایک باب میں خودنوشت سوانح عمریوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ یہاں مختلف اشخاص کی خودنوشتوں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ ایک باب منظوم خودنوشت سوانح عمریوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہیں ایک اور باب خواتین کی خودنوشت سوانح عمریوں میں مرد اساس معاشرے میں خواتین کی حیثیت کو عیاں کرتا ہے۔ کتاب کا ایک باب 1857 کی جنگِ آزادی کے دور میں لوگوں کے حالات اور جدوجہد پر روشنی ڈالتا ہے۔ اگلا باب 1947 میں ملنے والی آزادی کے بعد تقسیمِ ملک سے پیدا شدہ حالات کا جائزہ پیش کرتا ہے۔

اس کتاب میں شامل 15 مضامین کے عنوانات یہ ہیں: 1۔فنِ خودنوشت سوانح نگاری: لوازمات، دشواریاں اور امکانات، 2- اردو کی خودنوشت سوانح عمریوں کی درجہ بندی، 3- خودنوشت سوانح نگاری کا نسائی زاویہ، 4-انقلاب 1857، دستنبو اور داستانِ غدر، 5-خودنوشت سوانح نگاری اور منظوم خودنوشت سوانحی نگارشات، 6-منظوم خودنوشت سوانح حیات سہیل نامہ: ایک تجزیہ، 7-خودنوشت سوانحی ادب: خوں بہا کا تجزیاتی مطالعہ، 8-فن خودنوشت سوانح نگاری گردِراہ کا تعارف وتجزیہ، 9-خواب باقی ہیں: ایک تجزیاتی مطالعہ، 10-سعیدہ بانو احمد کی خودنوشت سوانح حیات ڈگر سے ہٹ کر کا تجزیاتی مطالعہ، 11-رفعت سروش کی خودنوشت سوانح عمریاں: ایک تجزیہ، 12-خودنوشت سوانح نگاری میں ہیئتی تجربہ کاری، پیکر تراشی اور جمالیاتی اسلوبِ نگارش: آشرم از شکیل الرحمٰن، 13- ندا فاضلی کی آپ بیتی دیواروں کے بیچ میں اسلوبیاتی تنوع اور تخلیقی فعالیت، 14-خودنوشت سوانحی مضامین: ایک جائزہ، 15-گوپی چند نارنگ کا خودنوشت سوانحی مضمون، 'تھا میں گلدستۂ احباب کی بندش کی گیا' ہیں۔

اس کتاب میں شامل مضامین، ڈاکٹر سید وجاہت مظہر کی یک موضوعی تحقیقی وتنقیدی کاوشات کا نتیجہ ہیں اور ان کے معتبر محقق و نقاد ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

یہ کتاب مختلف ادوار کے خودنوشت سوانح نگاروں کی زندگی اور کارناموں کا احاطہ کرتی ہے اور ان کے تمام سچے، جھوٹے، اچھے اور برے واقعات وسانحات کو دیانت داری کے ساتھ اجاگر کرتی ہے۔ اتنے سارے یک موضوعی تحقیقی وتنقیدی مضامین لکھنا اور پھر ان کی معتبر رسائل و جرائد میں اشاعت اور اس کے بعد انھیں کتابی شکل میں پیش کرنا، نوآموز اسکالروں کے لیے بڑا دشوار اور صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ مصنف کے 'پیش لفظ' سے قبل اردو کے معروف ادیب اور جامعہ ملیہ کے اردو شعبے کے سابق صدر، پروفیسر خالد محمود صاحب اپنے تقریظی مضمون میں رقم طراز ہیں: 'یہ دیکھ کر اچھا لگا کہ خون گرم رکھنے والی عمر کے باوصف ان کا طرزِ فکر معروضی اور اندازِ بیان سنجیدہ اور تجزیاتی ہے۔' وہ مزید فرماتے ہیں: 'مجموعی طور پر یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی اہمیت اور افادیت میں کوئی کلام نہیں۔ زبان سادہ اور سلیس، بیان واضح اور مدلل ہے۔'

اس کتاب کا پہلا باب بعنوان 'فنِ خودنوشت سوانح نگاری: لوازمات، دشواریاں اور امکانات' ہے۔ اس باب میں ڈاکٹر سید وجاہت مظہر نے خودنوشت سوانحی ادب کے لوازمات کے طور پر جن پانچ اجزا کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: 1- دیانت داری، 2- خودشناسی، 3- اظہار کی صلاحیت، 4-عصری آگہی اور 5-انتخاب واقعات۔ ڈاکٹر وجاہت کا یہ مضمون اردو کے ریسرچ اینڈ ریفیرید جرنل 'فکر وتحقیق' میں شائع ہوا تھا۔ اگلا باب 'اردو کی خودنوشت سوانح عمریوں کی درجہ بندی'، ادبی رسالہ 'نیا دور' کے 2022 کے شمارے کی زینت بنا تھا۔ اس مضمون میں مصنف نے خودنوشت سوانح عمریوں کو ادبی، فنی، مذہبی، سیاسی، صحافتی اور متفرق خودنوشت سوانح عمریوں کے زمروں میں تقسیم کیا ہے۔

یہ کتاب سید ظہیر حسین دہلوی کی خودنوشت 'داستانِ غدر' اور اسداللہ خاں غالب کی 'دستنبو' کے توسط سے 1857 کے واقعات و حادثات سے ہمیں متعارف کراتی ہے۔ یہ دو مختلف شخصیات کی زندگیوں اور ان کے دور کے مختلف حالات و واقعات پر مبنی ہے۔ ان دونوں ہی شخصیات نے کس طرح اس پُرآشوب دور کا سامنا کیا۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مصنّفین کے پُرآشوب عہد کو جانچنے پرکھنے کے دو مختلف نقطۂ نظر ہو سکتے ہیں اور ایسے انقلاب کو انگیز کرنے کے نظریات اور انداز جداگانہ ہو سکتے ہیں۔ پھر ملک کی آزادی کے پہلے اور بعد، تقسیم کے نتیجے میں برپا ہونے والے فسادات و پژمردہ حالات وحوادث سے ہمیں حکیم احمد شجاع کی آپ بیتی 'خوں بہا' اور پھر اختر حسین رائے پوری کی خودنوشت 'گردِ راہ' کے ذریعے ڈاکٹر وجاہت مظہر ہمیں آزادی سے قبل اور اس کے بعد کے حالات اور تقسیمِ ہند کے مُضر اثرات سے بڑی دیانت داری کے ساتھ روشناس کراتے ہیں۔

خودنوشتوں کے نسائی پہلوؤں پر بھی ڈاکٹر سید وجاہت مظہر اپنا قلم اٹھانے سے گریز نہیں کرتے۔ لہٰذا، ادبی رسالے 'نیا دور' لکھنؤ میں ان کا یہ تحقیقی مضمون بعنوان 'خودنوشت سوانح نگاری کا نسائی زاویہ' شائع ہوا۔ یہ مضمون خواتین کی تخلیقی اظہارِ ذات وکائنات کا آئینہ ہے اور ان پر کیے جانے والے ظلم وجبر اور استحصال کے خلاف احتجاجی آواز کی بازگشت بھی اس مضمون میں سنائی دیتی ہے۔ یہاں مصنف نے کشور ناہید کی خودنوشت 'بری عورت کی کتھا' اور نفیس بانو شمع کی خودنوشت 'جنت سے نکالی ہوئی حوا' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ خواتین کے جبر واستحصال کی آواز اور اس کے سر اُٹھا کر چلنے کی گونج اور مرد کے شانہ بہ شانہ چلنے کی دھمک ہمیں وجاہت کے دوسرے مضمون 'سعیدہ بانو احمد کی خودنوشت سوانح حیات 'ڈگر سے ہٹ کر' کے تجزیاتی مطالعے' میں بھی ملتی ہے۔ اب تک منظوم خودنوشتوں کی صورتِ حال پر کوئی خاطر خواہ کام منظرِ عام پر نہیں آیا تھا۔ اس کمی کو ڈاکٹر وجاہت نے محسوس کرتے ہوئے ایک طویل مضمون اس موضوع پر لکھا۔ مجھے لگتا ہے کہ منظوم خودنوشتوں پر کسی بھی ناقد کا یہ پہلا مضمون ہے۔ علاوہ ازیں، ایک علاحدہ مضمون وجاہت نے حال ہی میں شائع ہونے والی منظوم خودنوشت 'سہیل نامہ' پر خصوصی طور پر لکھا ہے جو سہیل کاکوروی کی منظوم روداد حیات ہے اور جسے ملک میں لکھی گئی پہلی منظوم خودنوشت کا وش مانا گیا ہے۔

مختصراً یہ کہ خودنوشت سوانحی ادب پر ڈاکٹر سید وجاہت مظہر کے مضامین کا یہ مجموعہ تحقیقی اور تنقیدی لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ کتاب خودنوشت سوانح نگاری کے فن اور ہیئت پر مدلل اور نئے نکات سے متعارف کراتی ہے نیز اردو کی چند اہم خودنوشتوں کا تنقیدی تجزیہ بھی پیش کرتی ہے۔ اس طرح کتاب میں اردو کے خودنوشت سوانحی ادب پر مصنف نے اپنے موضوعات کا بھرپور احاطہ کیا ہے۔ 310 صفحات پر مشتمل یہ خوش نما مجلد کتاب، یقیناً اس صنفِ ادب پر ایک بیش قیمت اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ امیزون اور فلپ کارٹ پر دستیاب اس کتاب کی اشاعت پر مصنف ڈاکٹر سید وجاہت مظہر کو دلی مبارک باد۔ ◆◆

نام کتاب : **اِک نئی بات نکل آئی ہے**
(تحقیقی وتنقیدی مقالات ومضامین)
مصنف : ڈاکٹر محمد اظہر حیات
مرتّب : ڈاکٹر ریشما تزئین
ضخامت : 280 صفحات
قیمت : 300 روپے
ناشر : الفاظ پبلی کیشن، پھٹانا اولی کامٹی، ضلع ناگپور (مہاراشٹر) 441001
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.ocm

مہاراشٹر کے مردم خیز علاقے ناگپور سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر اظہر حیات کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ بیک وقت شاعر، فکشن نگار، استاد، ناقد، محقق، مدون، صحافی اور مترجم ہیں۔ موصوف تا عمر تعلیم وتعلم کے مقدس پیشے سے وابستہ ہو کر مہاراشٹر کے مختلف کالجوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ موصوف مراٹھی، عربی، اُردو اور انگریزی، ہندی وغیرہ زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں۔ ان کی ادبی و درسی خدمات کے صلے میں انھیں ملک کی مختلف اکادمیوں نے انعامات و اعزازات سے نوازا۔ ان کی اب تک ایک درجن سے زائد کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جن میں احمد شوقی: ایک مطالعہ، حافظ ولایت اللہ حافظ: حیات وخدمات، سفر نامۂ حج لبیک، مولوی نذیر احمد: توبتہ النصوح ایک مطالعہ، ودربھ میں جدید اُردو شاعری، شعور وادب، (دو جلدوں پر مشتمل) جدید نظمیں، غیر مسلم اُردو شعرا کی ادبی خدمات، آتش فشاں (ناول) وغیرہ کو ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

زیرِ نظر کتاب 'اِک نئی بات نکل آئی ہے' میں ڈاکٹر اظہر حیات کے وہ مقالات شامل ہیں جنھیں انھوں نے آل انڈیا ریڈیو، ادبی سمیناروں، پروگراموں اور رسائل و جرائد کے لیے لکھا تھا۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں موصوف کے 29 مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین میں اُردو کے مشہور و معروف شعرا کے کلام پر تنقیدی گفتگو کی گئی ہے۔ ڈاکٹر اظہر حیات نے جن شعرا کے کلام وشخصیت کو موضوعِ گفتگو بنایا ان میں ناطق گلاوٹھی، فانی بدایونی، جگر مرادآبادی، حسرت موہانی، حافظ ولایت اللہ، کیفی اعظمی، احمد فراز، پروین شاکر، شاکر حکیمی، حمید ناگپوری، ظفر گورکھپوری، جگن ناتھ آزاد، مظفر حنفی، جلیل ساز، میکش ناگپوری، کیفی اسماعیلی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ کتاب میں شامل مضامین کو ڈاکٹر اظہر حیات کی شاگردہ ڈاکٹر ریشما تزئین نے سلیقے کے ساتھ یک جا کیا ہے۔ مرتّب نے اپنے پیش لفظ میں اس بات کا اعتراف کیا کہ مذکورہ بالا مضامین میرے مطالعے میں رہے ہیں اور میری دیرینہ خواہش تھی کہ ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ یہ ایک جگہ محفوظ ہو جائیں۔ اس کارِ خیر کی اجازت ڈاکٹر اظہر حیات نے اپنی عزیز شاگردہ ڈاکٹر ریشما تزئین کو دی۔ ڈاکٹر اظہر حیات نے اظہارِ تشکر میں جہاں ایک جانب ڈاکٹر ریشما تزئین کا شکریہ ادا کیا وہیں یہ انکشاف بھی کیا کہ اس کتاب کا عنوان بزرگ فکشن نگار قاضی مشتاق کا تجویز کیا ہوا ہے۔

ڈاکٹر اظہر حیات نے اپنے تنقیدی مضامین میں جن شعرا کو موضوعِ بحث بنایا ان میں کچھ سے ان کے ذاتی مراسم تھے اور کچھ سے ان کی صرف کتابی ملاقاتیں تھیں۔ موصوف نے بعض مضامین میں یادوں کا پٹارہ کھول کر رکھ دیا ہے جنھیں پڑھ کر قارئین کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ حالاں کہ ان یادوں اور باتوں میں ادبی چاشنی برقرار ہے۔ ناطق گلاوٹھی کی حیات، شخصیت اور شاعری پر لکھا گیا مضمون خاصے کی چیز ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر اظہر حیات نے ناطق گلاوٹھی سے عہدِ طفلی

اورعہدِ جوانی میں کی گئی ملاقاتوں اور باتوں کو پیش کیا ہے۔ وہ ناطق گلاوٹھی کی شاعری اوران کی سماجی خدمات کے معترف ہیں۔انھوں نے اس مضمون میں ان کے کلام پر تفصیلی تنقیدی گفتگو کی ہے۔مضمون میں ناطق گلاوٹھی کے متعدد اشعار کو دلیل اور حوالے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ناطق کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے جس میں انھوں نے دنیا کی بے ثباتی کو موثر طریقے سے واضح کیا ہے:

ہچکیوں پر ہو رہا ہے زندگی کا راگ ختم
جھٹکے دے کر تار توڑے جا رہے ہیں ساز کے

احمد فراز کی شاعری اوران کی عالمی شہرت کو ڈاکٹر اظہر حیات نے عمدگی کے ساتھ اپنے مضمون میں پیش کیا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر اظہر حیات نے فراز سے ملاقاتوں، یادوں اور باتوں کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے اس بات کو فخریہ انداز میں لکھا کہ احمد فراز کی شاعری پر ہندستان میں سب سے پہلے انھوں نے اپنی زیرِ نگرانی ڈاکٹر نیر پٹھان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کرائی تھی۔اس مضمون میں موصوف نے احمد فراز کے شعری ذوق، بے باکی، حق پرستی اور پاکستانی سیاست اور ان کی جلاوطنی پر بھی تبادلۂ خیال کیا ہے۔ان کی نظر میں فراز کے اشعار دل سے نکلتے ہیں اور سیدھے سننے والوں کے دلوں میں اُتر جاتے ہیں:

وہ لکھ بس جو بھی امیرِ شہر کہے
جو کہتے ہیں درد کے مارے، مت لکھو

پروین شاکر کی شاعری اوران کی ذاتی زندگی پر ڈاکٹر اظہر حیات نے قلم اٹھایا۔انھوں نے اس مضمون میں دیانت داری کے ساتھ پروین شاکر کی شاعری کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا۔انھوں نے لکھا کہ پروین شاکر کا پہلا شعری مجموعہ 'خوشبو' صرف 25 برس کی عمر میں منظرِ عام پر آیا۔انھوں نے زندگی کی محض 42 بہاریں دیکھیں لیکن اس کمسنی میں بھی انھوں نے وہ سب کچھ حاصل کیا جسے پانے کے لیے لوگ تا عمر ترستے ہیں۔ پروین شاکر کی زندگی کو متاثر کرنے والا لمحہ 'طلاق' تھا۔اس وجہ سے پروین شاکر نے اپنے درد وغم کو شعری قالب عطا کیا۔ان کی غزلوں اور نظموں میں ایک زخم خوردہ عورت کا پرتو واضح طور پر دکھائی دیتا ہے:

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لا جواب کر دے گا

مجموعی طور پر ڈاکٹر اظہر حیات نے تمام مضامین میں اپنی تنقیدی جولانیاں قارئین کے سامنے پیش کی ہیں۔انھوں نے شعرا کی نجی زندگی سے متعلق بہت سی باتوں کو اُجاگر کیا ہے۔ان کا یہ عمل کسی کی تضحیک کرنا نہیں بلکہ اپنی تحریروں میں صداقت پیدا کرنا ہے۔ڈاکٹر اظہر حیات نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے جس جاں فشانی کا ثبوت دیا وہ ان کی تحریروں میں جا بجا موجود ہے۔انھوں نے مہاراشٹر کے مختلف اداروں میں اُردو ایکسپرٹ کے طور پر بھی کام کیا، اس لیے ادیبوں، شاعروں اور دانش وروں سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔موصوف نے نئے لکھنے والوں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی۔

ڈاکٹر اظہر حیات نے اپنی تنقیدی بحثوں میں رواں دواں نثر کا انتخاب کیا ہے۔ان کا یہ عمل عام قارئین کے لیے مفید و کارآمد ہے۔ انھوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو بھی شاملِ مضامین کیا ہے جس سے ان کی تحریروں میں ادبی چاشنی پیدا ہوگئی ہے۔یادوں، باتوں اور ملاقاتوں کو ادبی پیرائے میں پیش کرنے سے مضامین میں اکثر انشائیے کا رنگ حاوی ہو جاتا ہے۔بعض مرتبہ تنقید میں خاکوں کا رنگ بھی جھلکنے لگتا ہے۔ڈاکٹر اظہر حیات نے مذکورہ باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنے مضامین میں خالصتاً تنقیدی نقطۂ نظر سے اپنایا ہے۔تنقید کی زبان میں ڈاکٹر اظہر حیات کے تمام مضامین کو تاثراتی تنقید کے زمرے میں شامل کیا جائے گا۔حالاں کہ بعض مضامین میں تحقیقی تنقید کا اثر صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر ریشما تزئین نے کتاب کا انتساب اپنے والدِ محترم لطیف احمد کے نام کیا ہے۔کتاب میں موصوفہ نے ڈاکٹر اظہر حیات کو درج ذیل شعر:

روشن کریں وہ شمعیں دنیا میں علم وفن کی
استاد فخرِ دوراں اظہر حیات صاحب

سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔کتاب کی پشت پر اُردو کے مشہور ادیب پروفیسر حمید سہروردی (گلبرگہ) نے ڈاکٹر اظہر حیات اور ڈاکٹر ریشما تزئین کی کاوشوں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ انھوں نے لکھا کہ ڈاکٹر اظہر حیات کی تحریریں، جذبات کی تہذیب، فکر انگیزی، مشاہدے کی باریکی، متنوع تجربات، تخلیقی بصیرت، سنجیدہ خیالی، سلاست وضاحت اور جامعیت سے منور ہیں۔کتاب کا سرورق بہت ہی دیدہ زیب، کاغذ عمدہ اور قیمت مناسب ہے۔شعری تنقید میں دل چسپی رکھنے والوں کے لیے زیرِ نظر کتاب بہت ہی کارآمد اور سودمند ہے۔◆◆

بقیہ: ڈاکٹر اخلاق اثر کی شخصیت وخدمات کے مدوجزر کا جائزہ

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

شائع ہوا تھا، راقم کی نظر سے گزرا ہے۔اس میں جین صاحب نے مذکورہ کتاب کا جائزہ لے کر اس کے بعض حصوں پر تنقید اور بعض کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اخلاق اثر کی کتاب کے مطالعے سے اردو کے پہلے ڈرامے سے متعلق تمام معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور ڈرامے پر بحث کے تمام مالہٗ وماعلیہ یک جا طور پر مل جاتے ہیں۔

فنِ ڈرامہ پر اخلاق اثر کی دوسری کتابوں میں ریڈیو ڈرامے کی تاریخ (1975)، اردو ڈرامہ کا مطالعہ (1977)، ریڈیو ڈرامہ کا فن (1978)، ریڈیو ڈرامہ کی اصناف (1980)، نشریات اور آل انڈیا ریڈیو (1982) کو شامل کر کے ڈرامے پر پانچ کتابیں ہوتی ہیں۔اُن کا یہ کام تنازع سے پاک اور شہرت ومقبولیت کا باعث بنا ہے۔حالاں کہ اقبال پر اُن کا کام بحث ومباحثے کا موضوع بنتا رہا۔ان کی دو اور کتابیں 'احتشام حسین: ایک مطالعہ' اور مولانا عمران خاں ندوی ازہری سے گفتگو پر مبنی کتاب 'ملاقات' اپنے اندر معلومات کا ایک جہاں رکھتی ہیں۔ڈرامے پر اُن کی بعض کتابوں کے بارے میں اُن کے ایم اے یا بی ایڈ کے نصاب میں شمولیت کے دعوے کی تصدیق نہیں ہوتی، یہ ضرور ہے کہ اردو کے جانے مانے ادیبوں نے اپنی کتب پر اُن سے مقدمے لکھوائے اِن میں 'دیا بجھ گیا' از کرتار سنگھ دگل، 'تحقیقات وتصورات' از اکبر رحمانی، 'دو ڈراما اور انارکلی' از حیدر علی عباس رضوی، 'مٹھی بھر دھول' از قمر جمالی، 'پتھروں کا شیراز' از علی عباس امید، 'پانچ ڈرامے' از احسان حسین، 'اوراقِ مصور' از شکیل اعجاز اور 'موجِ نسیم' از نسیم بھوپالی شامل ہیں۔

ڈاکٹر محمد مجید (جموں) اپنے تحقیقی مقالے میں ڈاکٹر اخلاق اثر کے اسفار برائے غیر ممالک پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حکومتِ ہند کی وزارتِ خارجہ کی طرف سے اسپانسر پروگرام کے تحت 1976 میں انھیں ایران جا کر وہاں کے تعلیمی نظام کے معیار اور ڈھانچہ کا جائزہ لینے کا موقع ملا۔ 1987 میں انھوں نے افغانستان کے ٹیچروں کے لیے چلائے جا رہے ٹیچر ٹریننگ کالج کابل کے پروگرام میں شمولیت کی، اخلاق اثر تین بار موریشس بھی ہندستانی وفد کے ساتھ گئے اور وہاں کے تعلیمی نظام کو از سرِ نو ترتیب دینے میں تعاون پیش کیا، اس کے علاوہ 1994 میں قزاقستان حکومت کو کارڈ کتابیں اور دیواروں پر آویزاں پوسٹر حکومت کی طرف سے دیے گئے کلچرل تبادلہ پروگرام میں شمولیت کی، علاوہ ازیں وہ ہندستان میں ریڈیو ڈرامے پر منعقدہ پروگراموں میں بھی حصہ لیتے رہے''۔

جہاں تک ڈاکٹر اخلاق اثر کو ملنے والے اعزازات وانعامات کا تعلق ہے تو انھیں ادبی خدمات پر متعدد سرکاری اور غیر سرکاری اعزازات سے نوازا گیا، جس میں اتر پردیش اردو اکادمی سے تین کتابوں پر انعامات ملے۔علامہ اقبال کے مکاتیب پر مشتمل کتاب 'اقبال نامے' پر مدھیہ پردیش کی اردو اکادمی سے گل ہند انعام اور تحقیقی وتنقیدی خدمات پر مدھیہ پردیش اردو اکادمی کا ہی 'نواب صدیق حسن خاں صوبائی ایوارڈ' تفویض ہوئے۔ اسی کتاب پر مغربی بنگال اردو اکادمی کے گل ہند ایوارڈ سے نوازا گیا۔

ڈاکٹر اخلاق اثر کی شخصیت و خدمات کے اس مدوجزر کے جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے علم وادب کے حصول میں جس یکسوئی کا مظاہرہ کیا، اُسے برتنے میں بھی وہ سرگرمِ عمل رہتے اور اپنی مزاجی کیفیت کو متوازن رکھنے میں کامیاب ہوتے تو اُن کے نام اور کام کا زیادہ بہتر اعتراف ہوتا۔ افسوس یہ ہے کہ 17 کتابوں کے اِس مصنف ومرتب کے بارے میں آج کی نسل زیادہ نہیں جانتی، اِس سے زیادہ دکھ کا پہلو یہ ہے کہ اُن کے انتقال کی خبر روزنامہ 'ندیم' میں شائع ہونے کے باوجود نہ تو تعزیتی جلسہ ہوا، نہ تعزیتی بیان شائع ہوا۔ جموں کے ریسرچ اسکالر محمد مجید کا اُن پر تحقیقی کام اگر شائع ہو جائے تو اِس کوتاہی کی کسی حد تک تلافی ہو سکتی ہے۔

عارف عزیز
20-گھاٹی بھڑبھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

بقیہ: اُردو املا (بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

مقالات نے صحتِ املا اور اس کی معیار بندی میں بہت کچھ حصہ لیا۔ ان کی کچھ سفارشات کو قبول کیا گیا اور کچھ کو رد؛ لیکن کتابت واشاعت کے طریقِ کار کی تبدیلیوں کے سبب جو اصول اس دور میں قبول کیے گئے ان پر از سرِ نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔انجمن نے اس کام کے لیے ہی ہمارے دور کے سب سے زیادہ لائق وفائق شخص، ماہرِ لغت واملا ڈاکٹر رؤف پاریکھ کا انتخاب کیا۔ڈاکٹر رؤف پاریکھ نے پچاس سے سو سال قبل کی ان تحریروں اور سفارشات کا تاریخی سیاق میں جائزہ لیا اور آج کے آلاتِ کتابت واشاعت کو ذہن میں رکھتے ہوئے رواجِ عام، قواعد، اصلاحِ املا اور سہولتِ املا سبھی کے پیشِ نظر انجمن کے تجویز کردہ املا پر عالمانہ گفتگو کی اور ساتھ ہی ادارۂ فروغ قومی زبان (قدیم نام مقتدرہ قومی زبان) اسلام آباد کی سفارشات 2022 کو بھی پیش کر دیا۔

ان ساری تحریروں کو پڑھ کر خاکسار کی رائے ہے کہ ان سفارشات کو ہندستان کے علمی وادبی ادارے باہمی اتفاق سے قبول کر لیں تاکہ ایک یکساں املا اور معیاری املا فروغ پا سکے۔

میرا خیال ہے کہ تمام اردو برادری کو اول ڈاکٹر اطہر فاروقی کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے ایک اہم مسئلے کو انجمن کے پلیٹ فارم سے 'اردو ادب' کے اردو املا نمبر میں اٹھایا جو ایک زمانے سے اس کی سب سے بڑی محرک ومبلغ رہی ہے۔ دوم ہمیں ڈاکٹر رؤف پاریکھ کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے اسے انجمن کا مسئلہ نہ سمجھ کر اردو کا مسئلہ سمجھا اور اس پر خاصا وقت صرف کر کے اہم نتائج، وافر معلومات، قابلِ عمل اور سہل تجاویز وسفارشات کو مع تجزیہ پیش کیا۔

ڈاکٹر شمس بدایونی
58، نیو آزاد پورم کالونی، عزت نگر، بریلی-243122
E-mail: drshamsbadauni@gmail.com

اُردو املا

شمس بدایونی

سہ ماہی 'اردو ادب' کے املا نمبر (جولائی 2023 تا مارچ 2024) شمارہ 69-267، جلد 68-67 پر کچھ عرض کرنے سے پیش تر چند باتیں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں:

- ☆ کسی زبان کو لکھنے کی معیاری صورت کا نام 'رسمِ خط' ہے۔
- ☆ رسمِ خط کے مطابق صحت سے لکھنے کا نام 'املا' ہے۔
- ☆ رسمِ خط میں 'تغیر' ممکن ہے، 'اصلاح' نہیں۔
- ☆ 'اصلاح' املا میں ہوسکتی ہے 'رسمِ خط' میں نہیں۔
- ☆ کسی کمی کو دور کرنے یا سہولت فراہم کرنے کا نام 'اصلاح' ہے۔
- ☆ کسی غلطی کو درست کرکے اس لفظ، مصرعے یا عبارت کو صحیح اور مسلمہ انداز پر واپس لانے کا نام 'صحت' ہے۔
- ☆ تغیر خود بہ خود واقع ہوتا ہے، اسے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔
- ☆ رسمِ خط، اصلاح، صحت، تغیر، معیار بندی ان میں سے ہر لفظ کا معنی و مفہوم املا کے تعلق سے الگ الگ اور مختلف ہے۔ انھیں سمجھے بغیر املا پر اصولی یا عالمانہ گفتگو بے معنی ہے۔

مذکورہ بالا سطور رشید حسن خاں کے 'مقدمہ اردو املا' کی تمہید کا خلاصہ ہیں۔

اردو زبان سے متعلق مسائل و مباحث کی فہرست میں؛ اردو اور ہندی کا قضیہ، اردو رسمِ خط، اردو املا، اصلاحِ زبان و قواعد، اعراب نگاری اور توقیف نگاری کو نمایاں طور پر شامل رکھا گیا ہے۔ ہر دور میں ان پر کچھ نہ کچھ لکھا بھی گیا جو آج تاریخِ ادب کا حصہ بن چکا ہے۔

اردو اور ہندی کا قضیہ اور رسمِ خط کی بحثیں آج پرانی ہوکر اپنا اثر کھو چکی ہیں۔ وہ عناصر جن کے سبب یہ بحثیں قائم ہوئی تھیں، آج بھی کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں اور کبھی کبھی وہ ان بحثوں کو بارِ دگر زندہ کرنے کا وسیلہ بننے کی کوشش کرتے ہیں بھلے ہی نتائج ان کے حسبِ دل خواہ برآمد نہ ہوں۔

اصلاحِ زبان و قواعد اور تلفظ پر بھی خاصا کام ہوچکا ہے۔ اس سلسلے کی بے شمار کتب اور متعدد لغات موجود ہیں؛ لیکن رواجِ عام کی چکّی میں تلفظ کے یکساں معیار کے اصول پستے رہے ہیں اور مسئلہ تلفظ عموماً جوں کا توں ہی رہا ہے، بلکہ دن بہ دن خراب ہی ہوتا جارہا ہے۔

سب سے قابلِ رحم حالت املا، اعراب نگاری اور توقیف نگاری کی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے ان میں سے املا پر خاصا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ درجن بھر سے زائد اعلا درجے کی کتابیں، تجاویز وسفارشات اور سیمینار کے منتخب مقالات پر مشتمل مجموعے طبع ہوچکے ہیں۔ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری (ف 2021) نے املا اور اس کے متعلقات کے حوالے سے ایک اشاریہ بہ اسم 'کتابیاتِ اردو املا اور دوسرے مسائل' مرتب کیا تھا جو 1986 میں مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد سے شائع ہوا تھا، 1986 سے 2024 تک تقریباً 38 سال کی مدت میں جو کچھ لکھا گیا وہ اس پر مستزاد ہے۔

انفرادی طور پر اردو املا پر خاصا کچھ لکھا گیا اور عملی طور پر مصنفین کی کتب میں املا کے حوالے سے کچھ تبدیلیاں بھی محسوس کی گئیں؛ لیکن اداروں کی جانب سے اس طرف پیش قدمی کی مثال فورٹ ولیم کالج نے قائم کی۔ ڈاکٹر جان گل کرسٹ (ف 1841) کالج کے قیام (جولائی 1800) کے ساتھ ہی اس سے بہ حیثیت ہندستانی زبان کے پروفیسر وابستہ ہوگئے تھے۔ انھوں نے کالج میں موجود طلبہ کے لیے ایک خاص نظامِ املا مرتب کیا اور اس املا کو وہاں سے شائع ہونے والی کتب میں التزام کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ انھوں نے املا پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا جو بدقسمتی سے آج دستیاب نہیں۔ اس کا خلاصہ کالج کی جانب سے شائع ہونے والی میر شیر علی افسوس (ف 1809) کی کتاب 'باغِ اردو' (ترجمہ گلستانِ سعدی) طبعِ اول 1802 اور حفیظ الدین کی کتاب 'خرد افروز' (طبعِ اول 1804) میں شامل ہے۔ رشید حسن خاں نے اپنی مدوّنہ 'باغ و بہار' کے مقدمے میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے؛ لیکن بہ قولِ عبدالستار صدیقی کالج سے باہر یعنی دہلی تک ان قاعدوں کا اثر بہت دیر میں پہنچا، غالب کے زمانے بلکہ بعد تک لوگ کالج کے اختیار کردہ املا سے بے خبر رہے۔ (مقالاتِ عبدالستار صدیقی ج 2، ص: 143)

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے مقالے 'اردو املا کی تاریخ' میں بھی اس کا ذکر نہیں آسکا۔ یہ مقالہ 'اردو ادب' کے اسی املا نمبر میں شامل ہے۔

دوسری بڑی کوشش تقریباً 143 سال بعد انجمن ترقی اردو نے کی۔ یہ دراصل اُس اصلاح املا کمیٹی کی رپورٹ ہے جو 1943 میں مقرر کی گئی تھی۔ یہ تجاویز بہ قول رشید حسن خاں 'مختصر اور نا تمام ہیں، ان میں صرف چند امور سے بحث کی گئی ہے وہ بھی اختصار کے ساتھ۔' (اردو املا، ص 45)

یہ رپورٹ 1944 میں شائع ہوئی لیکن اس میں چند تجاویز ایسی تھیں جو اردو قواعد، اور اردو کتابت کے دستور و رواج سے لگّا نہیں کھاتی تھیں، مثلاً: ہم آواز متعدد حروف میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا، لفظوں کو توڑ کر لکھنا مثلاً م صی بت وغیرہ۔ چناں چہ یہ رپورٹ بہت جلد بھلا دی گئی۔ خود انجمن کی کتابوں میں یہ اصلاحات بار نہیں پاسکیں۔ وقت گزرتا گیا۔ اصلاحِ املا کی جانب توجہ بہ ہر طور قائم رہی۔ تقریباً تیس چالیس سال بعد ہندو پاک کی دو بڑی تنظیموں: ترقی اردو بورڈ دہلی اور مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد نے املا کمیٹی تشکیل دے کر اپنی تجاویز وسفارشات کو بالترتیب 1974 (املا نامہ) اور 1985 (سفارشاتِ اردو املا و رموزِ اوقاف) میں وقفِ عام کیا۔ اِنھیں قبول بھی کیا گیا اور ان سے اختلاف بھی روا رکھا گیا۔ خصوصاً ترقی اردو بورڈ کی سفارشات جو 'املا نامہ' کے نام سے 1974 میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی ترتیب سے شائع ہوئی تھیں، متنازع قرار پائیں۔ خود ترقیِ اردو بورڈ نے اسے محسوس کیا اور سال دو سال کے بعد ایک نظرِ ثانی کمیٹی کی تشکیل کی، جس کے صدر ڈاکٹر عبدالعلیم او رممبران: گیان چند جین، سیّد عابد حسین، خواجہ احمد فاروقی، رشید حسن خاں، محمد حسن، حیات اللہ انصاری، مالک رام، مسعود حسین خاں، خلیق انجم، گوپی چند نارنگ اور سیّد بدرالحسن تھے۔ نظرِ ثانی کمیٹی کی سفارشات 'املا نامہ' کے نام سے 1990 میں شائع ہوئیں، جو 1974 میں شائع 'املا نامہ' میں پیش کردہ سفارشات سے یکسر مختلف تھیں۔

ظاہر ہے ایک ہی ادارے سے مختلف اوقات میں املا کی دو علاحدہ علاحدہ سفارشات کا شائع ہونا پسند نہیں کیا گیا اور اسے املا میں تحریف کی صورت میں دیکھا گیا۔ پروفیسر صباح الدین احمد کی کتاب 'املا نامہ تخریب و ردِّ تخریب (دلی 2014) اس کا اچھا تجزیہ پیش کرتی ہے۔

'املا نامہ' طبع اول (1974) دراصل رشید حسن خاں کی کتاب 'اردو املا' (طبعِ اول 1974) ہی کا ایک طرح سے خلاصہ تھا، لیکن یہ خلاصہ املا سے متعلق اصلاح کی زمین ہموار نہیں کرسکا۔

رشید حسن خاں کی کتاب 'اردو املا' نے ان بحثوں اور اختلافات کو پھر سے زندہ کردیا جو انجمن ترقی اردو ہند کی رپورٹ 1943 کی اشاعت کے بعد ظہور میں آئے تھے۔ رہی سہی کسر املا نامہ طبع دوم 1990 نے پوری کردی جس میں املا نامہ طبعِ اول سے مکمل انحراف کیا گیا ہے۔

چوں کہ رشید حسن خاں نے اپنے پیش کردہ املا پر اصرار برقرار رکھا اور اپنی تدوین کردہ کتب میں اس پر سختی سے عامل رہے، لہٰذا باوجود بعض امور میں ان سے شدید اختلاف کے، دھیرے دھیرے ان کا پیش کردہ املا ہندستان میں مقبول ہونے لگا۔ بعض اداروں نے بھی اسے قبول کیا، جیسے مکتبہ جامعہ، لیکن اصلاحِ املا کے تعلق سے ان کی پیش کردہ تجاویز وسفارشات سے مکمل اتفاق نہیں کیا جاسکا۔

اردو املا کے مسائل کی تاریخ یوں تو خاصی قدیم ہے؛ لیکن اگر ہم بہ غور جائزہ لیں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ فورٹ ولیم کالج کے زوال کے بعد املا کے مسائل کو مسلسل اور شدت کے ساتھ جس ادارے نے اٹھایا اور ان کو حل کرنے کی تدابیر کیں، وہ انجمن ترقی اردو ہے۔ انجمن نے اصلاحِ املا کو ایک مشن کے طور پر اختیار کیا اور وہ اہلِ علم کو اس جانب متوجہ کرنے میں کامیاب رہی۔

بیسویں صدی کے اولین تین عشروں میں انجمن نے اصلاحِ رسمِ خط کے نام سے اصلاحِ املا کی کوشش شروع کی تھی۔ اس سلسلے کی کوششیں بیسویں صدی کے نصف تک جاری رہیں۔ ان کوششوں کو بہ کمالِ احتیاط 'اردو ادب' کے تازہ شمارے میں محفوظ کردیا گیا ہے۔ ان پر اہلِ علم کے مضامین جو اتفاق و اختلاف، اضافوں یا اصلاحات کی صورت میں پیش کیے گئے تھے، اپنے دور میں ان ...

(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***